کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس فیصلہ سے جو سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتی تھی انہیں حاصل کرنے کے بعد اب اس ضمن میں کوئی مزید کارروائی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی بلکہ اس فرقہ کی تھوڑی بہت ناراضگی اور رنجش کو اپنے مشفقانہ طرزِ عمل سے محبت اور مودّت میں بدلنے کی آرزومند ہے اور اس بنا پر اس کی اُن حرکات کو بخوشی گوارا کر رہی ہے جن سے ملکی معاملات میں بعض سنگین نوعیت کی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ جب ایک گروہ علانیہ ملکی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اُس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی تو کیا اِس سے لوگوں کے اندر قانون شکنی کا رجحان پیدا نہ ہوگا؟ حال ہی میں قومی اسمبلی کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک متبع کی بحیثیت نمائندۂ اقلیت نامزدگی اور اِس پر قادیانی جماعت کی اِس انتخاب کے متعلق برہمی اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اس جماعت کے نزدیک اسمبلی کا یہ فیصلہ پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ قادیانیوں کی اس بےجا جسارت کی وجہ آخر اِس کے علاوہ اور کیا ہے کہ حکومت اِس فیصلے کے نفاذ کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں اور وہ فضا میں تھوڑی سی ہلچل پیدا کرنے کے علاوہ اِس سلسلہ میں کوئی ٹھوس کارروائی کرنا نہیں چاہتی اور اِس معاملہ میں اب وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے وقت گزارنے کا ارادہ رکھتی ہے تاکہ اِس فرقہ کے ساتھ اُس کے تعلقات اُسی سطح پر بحال ہو جائیں جس پر کہ گذشتہ انتخاب کے موقع پر تھے۔ کیا حکومت کی یہ روش اُس بڑھیا کے طرزِ عمل سے مختلف ہے جو اپنی محنت کا سُوت اپنے ہاتھوں ضائع کر دیتی ہے؟

حکومت کی اسلامی خدمات میں ایک نمایاں خدمت یہ ہے کہ اُس نے اِس سال ربیع الاوّل کے بابرکت مہینہ میں بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کرائی جس میں دنیا کے نامور اہلِ علم نے شریک ہو کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ حکومت کا یہ اقدام ہر لحاظ سے بڑا مستحسن تھا کیونکہ اسلام کی کوئی تبلیغ ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمیں دینِ حق کو دنیا میں ایک غالب قوت بنانا ہے تو یہ مقدس مقصد حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اپنا کر اور آپ کا حیات آفریں پیغام پوری بنی نوعِ انسان تک پہنچا کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کانفرنس سے حضورؐ کے غلاموں کو اپنے آقائے نامدارؐ کی پاکیزہ زندگی اور آپؐ کی پاکیزہ تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرانے کے متعدد مواقع فراہم ہوئے اور غیر مسلموں کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ محسنِ انسانیتؐ کے پیغام کو مسلمان مفکرین کی زبان سے سن سکیں۔ اِس مقدس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں وزیراعظم بھٹو صاحب نے اسلام کے بارے

ہیں معذرت خواہانہ طرزِ فکر کی جس جوش اور ولولہ کے ساتھ تردید کی وہ بھی قابلِ ستائش ہے ۔ لیکن اس بابرکت تقریب میں عوام کی شرکت کو جس طرح محدود رکھا گیا اور اس میں بعض غیر مسلم مستشرقین کے گمراہ کن خیالات کی جس انداز میں اشاعت کی گئی، مزید برآں کانفرنس کے منتظمین کی طرف سے مدعوئینِ کانفرنس کی ضیافتِ طبع کے لیے رنگا رنگ کے جو پروگرام ترتیب دیے گئے انہیں دیکھنے کے بعد اگر کانفرنس کے بارے میں لوگوں کے اندر بدگمانیاں پھیلنے لگیں تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ۔ یہاں اِس کانفرنس کے اِن افسوسناک پہلوؤں پر کوئی تفصیلی تبصرہ مقصود نہیں بلکہ صرف چند گوشوں کی طرف توجہ دلانا مطلوب ہے ۔

کانفرنس میں انگلستان کے معروف مستشرق پروفیسر منٹگمری واٹ نے جو مقالہ پڑھا وہ بڑا غلط تھا ۔ جن لوگوں نے حضورؐ کی سیرت پر اِس مستشرق کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ اِس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ ان میں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ، آپؐ کی تعلیمات اور آپؐ کے کارناموں کا اشتراکی نقطۂ نظر سے تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور قارئین کو یہ تأثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا وہ اپنے عہد کے مخصوص معاشی تقاضوں کے عین مطابق تھا ۔ یہ شخص بڑی چالاکی اور عیاری سے اُس دَور کے مادّی تقاضوں کو حضورؐ کی زندگی کا معاشرتی اور سیاسی پس منظر باور کرا کر مسلمانوں کو اِس بات کا قائل کرنا چاہتا ہے کہ حضورؐ کے کارنامے اُن کے اپنے عہد میں خواہ کتنے ہی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوں مگر وہ جدید دنیا میں نئے تقاضوں کے تحت انسانیت کے رہنما اُصول نہیں بن سکتے ۔ چنانچہ واٹ معاشرتی اور سیاسی پس منظر پر بڑا زور دیتا ہے ۔ اِس کانفرنس میں اُس نے جو مقالہ پیش کیا وہ اِسی طرزِ فکر کا ترجمان ہے جس میں بڑی پُرکاری کے ساتھ مسلم علماء کو اِس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ حضورؐ کی زندگی اور آپؐ کی تعلیمات کو اُن کے سماجی اور معاشی پس منظر میں رکھ کر مطالعہ کریں اور پھر اُن کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں ۔ یہ دعوت بظاہر بڑی معصوم نظر آتی ہے اور ایک سطح بین شخص اِس میں مضرت کا کوئی خاص پہلو نہیں پاتا ۔ مگر اِس کے مضمرات پر اگر دِقّتِ نظر سے غور کیا جائے تو یہ دعوت پورے دین کو منہدم کرنے والی ہے ۔ اِس دعوت کا مطلب یہ ہے کہ ہر دَور کے چونکہ کچھ مخصوص تقاضے ہوتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے چند شخصیتیں اُبھر کر سامنے آتی ہیں اس لیے وہ جو کچھ کہتی اور کرتی ہیں اُن سے اُس خاص عہد کے مسائل حل کرنے میں تو بڑی مدد ملتی ہے مگر جب نیا دَور نئے تقاضوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے تو گذشتہ اَدوار کی شخصیتیں اور اُن کے پیش کردہ افکار و اعمال (باقی برصفحہ ۷۴)